

شذرات

طالب محسن

غلطی کا تعین

اسلامی علوم اور اسلامی فکر نے کئی ادوار دیکھے ہیں۔ دین بنیادی طور پر ایمان و عمل سے مرکب ہے، لیکن جب وہ انسان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق ہوتا ہے تو فہم و اطلاق کے بہت سے حل طلب سوالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ابتدائی صدیوں ہی سے تعبیر و تشریح کا عمل شروع ہوا اور اختلاف و اتفاق کے فطری اسباب کے تحت مختلف مکاتب فکر بننے لگے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ماخذ کا مسئلہ نہیں تھا۔ آپ نے جسے دین کی حیثیت سے جاری فرمایا، وہ دین قرار پایا۔ آپ نے جس کے بارے میں فرمادیا کہ یہ اللہ کی کتاب کی آیات ہیں، وہ کتاب الہی کی حیثیت سے ممتاز ہو گیا، لیکن آپ کے بعد قطعی اور ظنی ماخذ اور قرآن اور سنت کے تعلق کے سوالات موضوع بحث بنے اور آج تک قلم و قریطاس کے ہم کنار ہونے کا ایک سبب ہیں۔

اس امت کے ہر دور میں ایمانیات کے فہم اور ان کے تقاضوں کے ادراک اور شریعت کے فہم اور اس کے اطلاق کو نئے حالات اور نئے سوالات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ ہر زمانے میں ایسے اہل علم پیدا ہوئے جنہوں نے ان حالات اور ان سوالات کا مواجہہ کیا۔ ان کے کام کو پذیرائی بھی ملی اور تردید کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ سوالات اگر حقیقی ہوں تو وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور خامہ فرسائی کا محرک بنے رہتے ہیں۔

دین کیا ہے؟ یہ سوال مشمولات کے حوالے سے بھی فکر و نظر کے لیے تحریک عمل رہا ہے اور دین کے بحیثیت کل اہداف کے تعین کے تعلق سے بھی نظریہ سازی کا باعث بنا ہے۔ یہ سوال دین کی حکمتوں اور مصالح کو طے کرنے میں بھی علمی جدال کی علت رہا ہے۔ اسی طرح دین کے ساتھ تعلق کے تقاضوں کے بیان میں بھی

آرا کے تفاوت کا مبنی بنتا ہے۔

جب بھی کوئی علمی کام ہوتا ہے تو وہ آنے والوں کے لیے کچھ سوالات کو حل کر دیتا ہے اور کچھ اشکال عقدہ کشائی کے منتظر رہتے ہیں۔ یہ صورت معاملہ اصول و مبادی، قیاس و استنباط اور تعبیر و تشریح، ہر دائرے میں تاریخ کے اوراق پر ثبت ہے۔ ہر دور کا اختتام آنے والوں کے لیے فکر و نظر اور نقد و تنقیح کے نئے در بھی کھولتا ہے اور قدم جما کر آگے چلنے کی بنیاد بھی فراہم کرتا ہے۔

علمی کام الہیات میں ہو، شریعت میں ہو، ان کی تفہیم میں ہو، ان کی حکمتوں میں ہو، ان کے مقاصد میں ہو، نفس انسانی کے ان سے تعلق میں ہو، دنیا میں ان کے کردار کے تعین میں ہو، مسلمانوں کی انفرادی یا اجتماعی ذمہ داریوں کے طے کرنے میں ہو، ان کو ایک کلی کے طور پر دیکھنے میں ہو، غرض دین کے کسی بھی پہلو سے کام ہو، بنائے استدلال نصوص ہیں یا عقلی مقدمات ہیں یا قیاس و استنباط کے قواعد و ضوابط۔

اگر نصوص کی بنیاد پر رائے قائم ہوتی ہے تو وہ وہاں بھی لسانی اور منطقی دلائل ہوتے ہیں، جو کسی رائے کی بنیاد بنتے ہیں۔ اختلاف کرنے والا یا لسانی دلائل سے اسے ناقابل قبول قرار دے گا یا منطقی دلائل سے۔ یہاں یہ بحث بے معنی ہے کہ یہ رائے فقہاء کے اجماع کے خلاف ہے یا اس سے پہلے یہ رائے کیوں قائم نہیں ہوئی یا اس رائے کے قائم کرنے میں اسباب باہر سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ باتیں بظاہر دلیل لگتی ہیں، لیکن حقیقتاً یہ دلائل کی مشقت اٹھانے سے فرار اور پراپیگنڈا کے ہتھیار ہیں۔ اصل چیز نصوص ہیں۔ اگر ان سے زیر بحث معنی نہیں نکلتے تو انھیں رد کرنے کے لیے اس طرح کی کم زور باتیں کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑنی چاہیے۔ یہی باتیں قدیم فقہاء کے اجماع پر بھی صادق آتی ہیں۔ فقہاء ایک زمانے میں علمی کام کر رہے تھے۔ ان کے زمانے کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات ان کے فیصلوں پر بھی اثر انداز ہونے کے اتنے ہی امکانات ہیں جتنے آج کے کسی اہل علم کے فکری عمل پر آج کے یہ عوامل ہو سکتے ہیں یا ہوتے ہیں۔ نیت کی پاکیزگی کا سرٹیفکیٹ نہ ان کے نقطہ نظر کے حق ہونے کی دلیل میں پیش کیا جاسکتا ہے اور نہ پیش کیا جانا چاہیے۔ یہ فقہاء جب کام کر رہے تھے تو اپنا تقویٰ دلیل کے طور پر پیش نہیں کرتے تھے، بلکہ اپنا استدلال بیان کرتے تھے، جس کا جائزہ آج بھی لیا جاسکتا ہے اور اسے دلائل ہی کی بنیاد پر قبول بھی کیا جاسکتا ہے اور رد بھی۔ نئی آرا قائم ہونا کوئی عیب نہیں ہے۔ اس کے اسباب جیسا کہ ہم نے عرض کیا، ماضی کے علمی کام میں موجود حل طلب سوالات بھی ہوتے ہیں یا نئے سماجی، ثقافتی، سیاسی اور معاشی تغیرات بھی ہوتے ہیں۔ نئی آرا غلط بھی ہوتی ہیں اور درست بھی۔ جو چیز عیب ہے، وہ قرآن و سنت کا

انکار ہے۔ ان کے کسی فہم سے اختلاف قرآن و سنت کا انکار نہیں ہے۔ قرآن و سنت کا فہم ہمیشہ سے مرہون دلائل ہے اور دلائل ہی کی بنا پر کسی فہم کی تردید یا تائید ہونی چاہیے۔ یہاں یہ بھی واضح کر دوں کہ نصوص کے معانی طے کرنے کا عمل جن تفسیری وسائل سے ہوتا ہے، ان کے تعین اور ان کے باہمی تعلق کا مسئلہ بھی ہمیشہ سے مختلف فیہ رہا ہے۔ یہ وسائل کی بحث سراسر عقلی دلائل پر موقوف ہے۔ چنانچہ نص سے ماخوذ کسی نقطہ نظر پر تنقید یا توفظ و معنی کے تعلق کی نسبت سے ہوگی یا وسائل کی نسبت سے۔ ان دونوں، یعنی لغت و نحو کے مباحث اور وسائل تفسیر کے مباحث میں خلط و محث، خطرہ ہے کہ تنقید کو لغو کر دے گا۔

کچھ دینی آراء نصوص کے بجائے عقلی مقدمات پر موقوف ہوتی ہیں۔ یہ عقلی مقدمات اتنے ناقابل تردید ہوتے ہیں کہ الفاظ کی توجیہ پر مجبور کر دیتے ہیں۔ یہاں اختلاف کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ یہ اچھی طرح متعین کرے کہ وہ عقلی مقدمہ کیا ہے اور اس کی بنا کس چیز پر ہے۔ عقلی مقدمات یا توفطرت میں رکھے گئے شعور کی عطا ہیں یا تجربے اور مشاہدے کے مسلمات سے پیدا ہوتے ہیں یا ان مقدمات کے منطقی نتائج سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔ جب کسی عقلی مقدمے کی غلطی واضح ہو جاتی ہے تو پھر اس پر قائم رائے کی غلطی بھی صحیح طور پر متعین ہو جاتی ہے۔ ہمارے ہاں تنقید کرنے والے بالعموم غلطی کو صحیح طور پر متعین نہیں کر پاتے۔ عام طور وہ اس مشکل میں پھنسے ہوتے ہیں کہ ہمارے مانے ہوئے نتائج فکر سے انحراف کیوں ہوا ہے۔ اس طرح کے کسی شخص کی تنقیدی تحریر پڑھ کر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اسے اپنے بزرگوں کے استدلال کی بھی خبر نہیں ہے، یہ اس نئے نقطہ نظر کے استدلال کا تجزیہ کیونکر کر سکتا ہے۔

اسی طرح کچھ دینی آراء قیاس و استنباط کے قواعد سے پیدا ہوتی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اصل مقدمات تو نصوص اور مسلمات علم و عقل سے ہی لیے جاتے ہیں، لیکن اطلاق و تفصیل کے دائرے کی بعض آراء ان قواعد پر منحصر ہوتی ہیں جو اہل علم نے طے کر رکھے ہیں۔ یہ سرتاسر عقلی عمل ہے۔ ان کی بنا تجربے، مشاہدے، رواج اور اسی طرح منطقی نتائج پر ہوتی ہے۔ بعض اوقات اس دائرے کی آراء فتویٰ پر مبنی فتویٰ ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب اس دائرے کی آراء سے اختلاف کیا جائے گا تو یہ دیکھنا ہوگا کہ کسی رائے کی بنا کیا ہے۔ اگر غلطی بنا میں ہے تو وہ زیر بحث آنی چاہیے اور استنباط و استدلال میں ہے تو اسے موضوع بننا چاہیے۔

دین کے حوالے سے ایک بڑا موضوع دین کو ایک کل کے طور پر دیکھنے کا ہے۔ یہ شریعت کے پہلو سے بھی دیکھا گیا ہے، جیسا کہ مقاصد شریعت کا بحث ہماری علمی روایت کا حصہ ہے۔ یہ تعلق باللہ کی نسبت سے بھی

دیکھا گیا ہے، جیسا کہ احسان اور تزکیہ نفس کے عنوان سے لکھی گئی کتابیں اس کی شاہد ہیں۔ مسلمانوں کے عالمی مشن کے حوالے سے بھی دیکھا گیا ہے، جیسا کہ خلافت کے حوالے سے لکھے گئے دفاتر ہر کتب خانے کا حصہ ہیں۔ ان آراء کے حق میں قرآن و حدیث کے نصوص بھی پیش کیے جاتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے معاملہ بھی۔ ان آراء کے بننے میں مسلمانوں کے مجموعی حالات کا کردار بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال غلط و صحیح کا تعین کرنے کی بنیادیں یہاں بھی وہی ہیں یا نصوص کا تعین درست نہیں یا ان سے اخذ مطلب غلط ہوا ہے یا اس سارے فکری عمل کا سبب باہر ہے اور اصلاً رائے پہلے قائم کر لی گئی ہے اور اسے دین سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ کسی بھی علمی بحث کی غلطی تبھی غلطی قرار پائے گی جب استدلال کی غلطی مشخص ہوگی۔

دور حاضر میں ہمارے فکری جدال کا ایک باعث مغرب کی فکری یلغار ہے۔ مغرب ہمارے فکری، عملی اور نفسیاتی تمام حوالوں سے تغیر و تبدل کا باعث ہے۔ اس نے ہمارے سیاسی، سماجی، معاشی، خاندانی، تعلیمی یہاں تک کہ تمام مذہبی ڈھانچوں کو جبراً تبدیل کر دیا ہے۔ ہم پچھلے دو سو سال سے ان تمام تبدیلیوں کے رد و قبول کے مسئلے سے دوچار ہیں۔ کہیں ہم ان کے مقابلے میں اسلام کی نئی تفہیم پیش کرتے ہیں، کہیں ہم ان تبدیلیوں ہی کو اسلامیانہ کے عمل میں مصروف نظر آتے ہیں اور کہیں ہم گوشہ گیر ہو کر نام نہاد روایت کو سینے سے لگا کر مطمئن ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ غرض یہ کہ یہ تغیر بہر صورت ہمیں تبدیل کرنے کے درپے ہے۔

اس حوالے سے بھی نقد و نظر کا معرکہ برپا ہے۔ یہاں اس بات کی ضرورت ہے کہ دین کو اس کی اصل صورت میں سمجھا جائے اور اس کی روشنی میں تمام انحرافات کو متعین کر کے ان کی تردید کا استدلال مرتب کیا جائے۔

